میں نامعلوم سی خوشی محسوس کی اور خاموشی سے ہنسا۔

اگلے کونے پر مڑتے ہوئے کسی نے اس کا کوٹ پکڑ کر کھینچا۔ ''ادھر آؤ نا۔''

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ آواز اس قدر دھیمی تھی کہ وہ پہچان نہ سکا۔ پھر جب اچھی طرح سے اس کے چہرے کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے کے بعد اسے یقین ہو گیا تو وہ اس کے بستر میں گھس گیا۔

''تمہیں سردی لگ رہی ہے؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''کمبل چھوٹا ہے۔'' لڑکی نے کہا۔

''ٹھہرو۔'' اس نے کمبل پر بڑا کوٹ پھیلا دیا اور اس کے ساتھ لگ کر لیٹ گیا۔ ''اس کمرے میں اور کون ہے؟''

''کوئی نہیں۔''

''اور بابا؟''

''باہر سوتا ہے۔''

''اتنی سردی میں؟''

''ہاں۔''

ٹھنڈک محسوس کر کے وہ اکڑا۔

''میرے پاؤں کو سردی لگ رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''اندر کر لو۔''

میں نے لڑکی کی طرف کروٹ لے کر پاؤں اندر کر لئے۔

''تم نے مجھے دیکھا تھا؟'' اس نے شیلا کے چہرے پر انگلیاں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔''

''تمہاری نظر بڑی تیز ہے۔''

''میں سوئی نہیں۔''

''رات سے جاگ رہی ہو؟''

''ہاں۔''

''میں کتنی دیر سویا؟'' اس نے پوچھا۔

''تم سوئے تھے؟''

''ہاں۔''

''ابھی تو تم باتیں کر رہے تھے۔''

''اوہ..... میں سمجھ رہا تھا بہت سو کر اٹھا۔'' اس نے اس کی گردن کو چوما۔ ''تمہاری گردن بڑی نرم ہے۔''

UrduPhoto.com

''آج تم کیوں لڑ رہے تھے؟''

نعیم نے جواب دینے کی بجائے دوبارہ اسی جگہ چوما۔

''ان سے مت لڑا کرو۔'' شیلا نے پھر کہا۔

''کیوں؟''

''وہ تمہیں مار دیں گے۔''

اس نے اس کے ہونٹوں کو دبا کر چوما۔

''انہوں نے پہلے بھی ایک کو مارا تھا۔'' لڑکی نے کہا۔

''کب؟''

''وہ پارسال ہمارے ساتھ آیا تھا۔ تب ہم بہار میں تھے۔ دو مہینے وہ ہمارے ساتھ رہا۔ پھر کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ اقبال نے اسے گولی مار دی۔''

نعیم خاموش لیٹا اس کے بدن پر ہاتھ پھیرتا رہا۔

''مجھے اقبال سے نفرت ہے۔'' شیلا نے اس کے پہلو پر ہاتھ رکھا۔

''تم قمیض اتار کر کیوں سوتے ہو؟''

''میری مرضی ہے۔''

''تمہیں سردی نہیں لگتی؟''

''نہیں۔''

نعیم نے اسے گردن کے نیچے نرم جگہ پر چوما۔

''شیلا۔'' اس نے بھاری آواز سے کہا۔

''آہستہ بولو۔''

''شیلا۔'' اس نے سرگوشی کی۔ ''تمہیں پتہ ہے بوسوں کا مزا کیسا ہوتا ہے؟''

''نہیں۔''

''مجھے چومو۔''

شیلا نے آہستہ سے اس کے گال کو چوما۔

''نہیں۔ ہونٹوں پر۔''

''اوں ہنہ۔''

''کیوں؟''

''یہ مرد کا بوسہ ہے۔ مجھے شرم آتی ہے۔'' وہ اس کی بغل میں منہ دے کر بولی۔

UrduPhoto.com

''اچھا سنو۔ یہ پانی کی طرح ہوتے ہیں۔ جب پیاس لگی ہو تو پانی میٹھا لگتا ہے۔ جب نہ لگی ہو تو بدمزہ لگتا ہے۔ دراصل اس کا کوئی مزہ نہیں ہوتا۔''

وہ اس کی چھاتی میں منہ دے کر ہنسی۔ ''تم عجیب باتیں کرتے ہو۔''

وہ خاموشی سے اس کی قمیض الگ کرتا رہا۔

شیلا نے اس کی چھاتی میں ناک رگڑی۔ ''تمہاری چھاتی میں بال نہیں ہیں۔'' اس نے کہا۔

''تمہاری چھاتی میں بھی نہیں ہیں۔''

''عورتوں کے نہیں ہوتے۔''

''مردوں کے بھی نہیں ہوتے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''ہوتے ہیں۔''

''کب ہوئے ہیں؟''

''ان سب کے ہیں۔'' اس نے اندھیرے میں دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

نعیم کے دل میں حسد کا ایک عجیب، تیز غصیلا جذبہ پیدا ہوا۔ ''ان کی بات مت کرو۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

''جن مردوں کی چھاتی میں بال نہیں ہوتے وہ مکار ہوتے ہیں۔'' وہ ہنسی۔

''کس نے بتایا ہے؟'' اس نے غصے سے کہا۔

UrduPhoto.com

دیر تک وہ دونوں برابر برابر لیٹے رہے۔ ان کی سانسوں کی ہلکی پھنکار کمرے میں بلند ہو رہی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کے جوان صحت مند جسموں کی حرارت ہونٹوں سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک رینگتی اور سارے کمرے میں پھیلتی ہوئی محسوس کی۔

''شیلا۔ تمہارا جسم بہت ملائم ہے۔''

وہ خاموش رہی۔

''تمہارے بدن پر کوئی خراش نہیں۔ کسی زخم کا نشان نہیں، تمہاری آنکھیں پھر بھی چمکیلی ہیں۔''

''چمکیلی ہیں؟''

''ہاں۔ یہ میرے ایک دوست کی بات ہے۔''

''تمہارا دوست بھی خوبصورت ہے؟''

''پتہ نہیں۔''

باہر بارش پھر شروع ہو گئی۔

''لیکن..... شیلا؟'' نعیم نے کہا۔

''ہوں۔''

''تم...... بہت چھوٹی ہو۔''

''نہیں ٹھیک ہوں۔''

''تمہاری عمر کتنی ہے۔''

شیلا نے غصے میں آ کر باہیں اس کی گردن کے گرد کسیں اور پھنکارتا سرگوشی میں بولی۔ ''تم چھوٹے ہو۔ اگر تم عورتوں کے ساتھ بڑے نہیں ہوتے تو کبھی بڑے نہ ہو گے۔''

دور گاؤں میں ایک مرغ کے اذان دینے کی آواز بند دروازے میں سے آئی۔

''اب ہمیں سو جانا چاہیے۔'' نعیم نے کہا۔

''سو جانا چاہیے؟'' شیلا نے پوچھا۔

''ہاں۔ اب ہمیں سو جانا چاہیے۔''

دونوں نے سر ڈھانپ لیے۔ ہوا کے ساتھ بارش کی آواز تیز ہو گئی۔ اچانک شیلا نے سر اٹھایا اور بولی۔ ''نعیم تم چلے تو نہیں جاؤ گے؟''

''نہیں۔'' نعیم نے بے تابی سے اس کا سر اپنی طرف کھینچا۔ تیز سرد ہوا بڑے دروازے کی درزوں میں سیٹیاں بجانے لگی۔ کمبل میں کئی جگہ سے سردی داخل ہو رہی تھی۔ دفعتاً وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''چپ ہو جاؤ۔'' نعیم نے [illegible] کا منہ بند کیا۔ شیلا نے اس کا ہاتھ ہٹایا اور ہونٹ دانتوں میں دبا کر سسکی۔ پھر اس نے نعیم کی چھاتی پر منہ رگڑا، اسے چوما اور دیر تک سسکتی رہی حتیٰ کہ اس کی چھاتی جگہ جگہ سے بھیگ گئی۔ آہستہ آہستہ وہ خاموش ہو گئی۔

''کیوں روتی ہو؟'' نعیم نے غصے اور بے چینی کے عالم میں پوچھا۔

''مجھے خیال ہوا تھا تم مجھے چھوڑ جاؤ گے۔'' اس نے کہا اور وحشیوں کی طرح اسے چومنے لگی۔

''بے وقوف لڑکی۔''

گاؤں میں سحر کا پہلا مرغ بولا تو وہ آہستہ سے اٹھا اور اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ لیٹنے سے پہلے اس نے تختہ دروازے کے ساتھ برابر کر دیا۔ زمین پر سیدھا لیٹے لیٹے پشیمانی کا ہلکا سا سایہ اس کے ذہن پر سے گزر گیا۔

پھر تختہ ہٹنے کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔ شیلا دروازے میں بیٹھی بلی کی طرح آنکھیں چمکا رہی تھی۔

''کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تمہارا کوٹ۔''

اس نے ہاتھ بڑھا کر کوٹ تختے کے نیچے سے کھینچ لیا۔

''ٹھیک ہے۔''

وہ وہیں بیٹھی رہی۔

UrduPhoto.com

''جاؤ......'' اس نے کہا۔ شیلا کی آنکھیں عجیب طرح سے چمکیں۔

''جاؤ۔'' وہ دانتوں کے بیچ میں سے چیخا۔

وہ سادگی سے ہنس پڑی۔ اس کے سفید دانت اندھیرے میں جھلملانے لگے۔ نعیم نے اٹھ کر تختہ برابر کر دیا، لیکن دیر تک وہ تختے پر چمکتی ہوئی آنکھیں اور سفید دانت دیکھتا رہا۔

نیچے پتھروں پر جھرنے کا پانی بہہ رہا تھا اور بارش ختم ہو چکی تھی۔

''تمہیں بس اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ مال گاڑی گزر گئی یا نہیں۔'' اقبال نے نقشے پر انگلی دوڑاتے ہوئے کہا۔ ''ہم مال گاڑی پر بارود ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ ٹھیک ہے؟'' بات ختم کر کے اس نے پہلی دفعہ سگریٹ نکال کر نعیم کو دیا۔

سوراخ میں سے دھوپ کی لکیر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ کمرہ پار کرتے ہوئے وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ دھوپ کی لکیر اس کی آنکھوں پر پڑ رہی تھی۔ آتش دان پر پڑے ہوئے [illegible] شیشے میں اسے اپنا چہرہ نظر آیا۔ [illegible] زرد بڑھی ہوئی داڑھی میں [illegible] اپنے آپ کو پہچاننے میں کافی دقت ہوئی۔ یکبارگی [illegible] سرکش خیال نے اس کے دل میں سر اٹھایا۔

''ٹھیک ہے۔ میں اس کا حق دار ہوں۔''

پشیمانی کا سایہ اس نے ذہن سے جھٹک دیا اور [illegible] غرور کو اپنے اعصاب پر محسوس کیا۔

(۱۴)

درخت کے تنے سے لگ کر بیٹھے ہوئے اس نے ہزارویں بار پتھروں کے اوپر سے وادی میں دیکھا۔

''آدھی رات ہو گئی۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

مغرب کی طرف سے اٹھا ہوا بادل تیزی سے آسمان پر پھیل رہا تھا اور تارے ایک ایک کر کے چھپے جا رہے تھے۔ ہوا نمدار اور سرد ہو گئی تھی اور اس کی کھوپڑی میں گھستی جا رہی تھی۔ ''گرمی کے دنوں میں یہاں تمام سردی ہوتی ہے۔'' سینے پر کوٹ لپیٹتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اسے زوروں کی بھوک لگ رہی تھی اور وہ بار بار ریلوے لائن پر اور سامنے ڈھلان پر دیکھ رہا تھا۔ بادل کے ساتھ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی اور پہاڑی درختوں کی چوٹیاں جو ستاروں کے مقابل صاف دکھائی دیتی تھیں غائب ہو چکی تھیں۔

''اب تو مسافر گاڑی کا وقت ہو گیا۔ مال گاڑی شاید لیٹ ہے۔'' اس نے پھر بات کی، لیکن اسے فیا

آیا کہ تیز چلتی ہوئی ہوا اس کی آواز کو کہاں سے کہاں لے جائے گی۔ تنے کے پیچھے سے سر نکال کر اس نے اندھیرے میں دیکھا۔ پہاڑ' ڈھلان' لائن' سرنگ' وادی۔ اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ لیکن ان جگہوں کی جائے وقوع کا اسے صحیح اندازہ تھا۔ شروع رات میں جب مطلع صاف تھا' وہ یہ سب جگہیں دیکھ چکا تھا۔ اتنی دیر تک اکیلا بیٹھا رہنے کے بعد وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے کی خواہش محسوس کر رہا تھا۔ اس خیال کو دل سے نکالنے کے لئے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا پتھروں کی اس حد تک گیا جہاں سے ڈھلان شروع ہوتی تھی۔

''اس راستے سے آئیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''جانے کہاں مر گئے۔ کمبخت سور۔ میں کہوں کا مال گاڑی گزر گئی۔ بارود لگا دو۔ ہاں' دیکھا جائے گا بعد میں۔'' وہ دل میں ہنسا۔

ڈھلان کے کنارے لیٹ کر اس نے بازو ہوا میں پھیلا دیا۔ ''اب کیا ہوگا؟ گھڑی تو پہلی لائن پر گم ہوگئی۔ اب بتاؤ۔'' بہت بچپنے میں ایک پہاڑی مقام پر وہ اسی طرح ڈھلان کے کنارے لیٹا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کیا۔ لیکن وہاں سبزہ تھا اور دھوپ تھی اور ہوا میں خوش گوار گرمی تھی۔ اس کا جی چاہا تھا کہ نیچے کود جائے۔ اس نے نیلی نیکر پہن رکھی تھی اور اس کے ساتھ چچا کا بڑا کتا تھا جو سبزے پر اس کے برابر لیٹا ہوا تھا۔ آس پاس اور بہت سے ہندوستانی اور انگریز بچے تھے۔ وہ اکیلا تھا۔ یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ شاید اور کون تھا؟ اررر..... لیکن اوہ' خدایا' کس قدر خوبصورت۔'' اس نے زور سے آنکھیں بند کر کے مٹھی ہوا میں چلائی اور ہنسا۔ کس قدر خوب صورت وقت تھا اور اس وقت [illegible] بھی نہیں چلتا۔

دیر تک اسی طرح لیٹے رہنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک گال جو ہوا کے سامنے تھا برف کی طرح جم چکا تھا اور بال اڑ اڑ کر آنکھوں میں پڑ رہے تھے۔ کمبخت مردود ابھی تک غائب ہیں۔ پیٹ میں سخت بھوک محسوس کر کے وہ دل میں گالیاں دینے لگا۔

''یہاں سے کود جاؤں۔'' خیال کی مضحکہ خیزی پر وہ ہنسا۔ ''یا بھاگ جاؤں۔ واپس؟ نہیں۔'' اس نے ترچھی نگاہوں سے اندھیرے میں دیکھا۔ ''نہیں۔'' آہستہ آہستہ رات کا سرور اس کے بدن پر پھیل گیا۔ وہ اٹھا اور چالاکی سے مسکراتا ہوا گھٹنوں اور ہتھیلیوں پر چلنے لگا۔ پتھروں پر لکڑی کی آواز کو روکنے کے لئے اس نے کوٹ کی آستین کو نیچے دبا لیا۔

اس وقت رات کی بارش کے پہلے قطرے اس کے چہرے پر گرے۔

تنے کے ساتھ کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں جھک گئیں۔ بارش ابھی ہلکی تھی' ابھی تیز ہوگئی۔ اس نے پہاڑی درخت کو گالی دی جس سے بارش میں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایک چنار کا درخت وہ کھڑا ہے' مگر عین راستے میں ہے۔ بھیڑیے۔ کیا میں سردی اور بھوک سے یہاں مر جاؤں؟' بارش تیز ہوگئی۔ اس نے سردی سے کانپتے ہوئے گیلا کوٹ چھاتی اور کندھوں پر کس کر لپیٹ لیا۔ اس کی پتلون ٹانگوں سے چپٹ گئی تھی اور بڑے فوجی بوٹوں میں پانی بھر گیا تھا۔

ہوا کے ساتھ ڈھلان پر سے باتیں کرنے کی آواز آنے لگی۔ وہ بیتابی سے بڑھا' مگر بارش کے شراٹے نے اس کی ہمت پست کر دی۔ پتھروں پر چڑھنے اور باتیں کرنے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ ''بے وقوف جاہل' اتنا گلا پھاڑ رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

دور مشرق میں' پہاڑ کے پیچھے گاڑی کی تیز وسل سنائی دی اور سامنے کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر واپس لوٹی۔ وہ چونکا۔ بارش اور ہوا کے شور کے باوجود اس نے دل کے دھڑکنے کی آواز صاف طور پر سنی۔ ''کون سی گاڑی ہے' اس نے سانس روک کر سوچا۔ مال گاڑی؟ نہیں۔ اب مسافر گاڑی کا وقت ہے۔' مال گاڑی شاید لیٹ ہو گئی یا کہیں کھڈ میں گر گئی یا جب میں پانچ منٹ کے لئے سو گیا تھا تو گزر گئی ہو گی۔ یقیناً اب کیا ہو گا؟ خدایا' اگر وہ دو منٹ پہلے بھی پہنچ گئے تو بارود رکھ سکتے ہیں۔ یقیناً پہنچ جائیں گے۔ وہ تو اب یہ آ گئے' اس نے کان لگا کر سنا۔ باتوں کی آواز ڈھلان کے کنارے پر آ گئی تھی' اچانک بند ہو گئی۔ وہ دیر تک ہوا کے رخ کان لگائے کھڑا رہا' لیکن اس کے کان میں پانی بھر گیا۔ ''خدایا۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ ''میں یہ بالکل نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو۔ میں اس وقت یہاں محض اس لئے ہوں کہ اپنا فرض انجام دینا چاہتا ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا یا اللہ کہ وہ وہیں بیٹھے رہیں' یا پھر بارود والے کا ڈھلان پر سے پاؤں پھسل جائے' پتھر تو اب پھسلواں ہو ہی چکے ہیں یا پھر۔'' آواز اب سامنے پتھروں پر سے آ رہی تھی۔ اس کا دل یکبارگی دھڑکا۔ اندھیرے میں دو سائے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ ایک کسان تھا جو کندھے پر [illegible] خالی بوری کا تھیلا بنا کر سر پر اوڑھے رکھا تھا اور گدھے کی پونچھ پکڑے باتیں کرتا ہوا چل رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے کچھ کھاتا جا رہا تھا۔ کمزور سا گدھا گیلے بھوسے کے بوجھ سے مر رہا تھا۔

''اب تمہارا پاؤں پھسلتا ہے' ہیں؟ کم ذات۔ میں تیرے بہانے جانتا ہوں۔'' وہ جھڑک کر بولا۔ ''تیری چالی میرے ہاتھ میں ہے' نخرہ مت کر۔ کمین۔ تو ہے ہی کمین۔ تیرا باپ بھی کمین تھا۔ جس روز خریدا اسی روز مر گیا۔ تو چھوٹا سا رہ گیا۔ چماروں سے خریدا تھا' کمین نہیں تو اور کیا ہوتا؟ دیکھ تو ڈھلان پر ٹانگیں نہ پسارتا تو ہم کبھی کے گاؤں پہنچ چکے ہوتے۔ سارا بھوسا خراب ہو گیا۔ تجھے ذرا سے کو میں نے پالا تھا' تو کسی کا احسان نہیں مانتا؟ ہیں؟ کمین چمار......'' وہ اس کی پونچھ مروڑنے لگا۔ ''ہیں؟ ہیں؟''

وہ مسلسل کھاتا اور باتیں کرتا ہوا گزر گیا۔

''شاید سرخ گندم کی روٹی ہے۔'' نعیم نے سوچا۔ اس کا جی چاہا کہ اسے دھکا دے کر گرا دے اور روٹی اس سے چھین لے۔ پھر وہ ہنسا۔ ''یہ مجھ سے بھی بے وقوف نکلا۔''

گاڑی سرنگ میں سے نکلی اور دہشت ناک آواز پیدا کرتی ہوئی گزر گئی۔ انجن کی چمنی سے نکلتی ہوئی روشنی کی لکیر میں دور تک چمکتی ہوئی بوندیں گر رہی تھیں۔ نعیم نے ہوا میں کوئلے کے گیلے دھوئیں کی بو سونگھی۔ یہ مال گاڑی تھی۔

"اب میں کہوں گا، مال ابھی نہیں گزری۔" وہ اپنی چالاکی پر مسکرایا۔

لیکن اسی لمحے بھوک اس کی انتڑیوں میں زور پکڑ گئی۔ مسلسل کٹکٹاتے ہوئے دانتوں کے درمیان سے اس نے بے شمار گالیاں دیں۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر بارش' بھوک اور انتظار نے اس کا حال بدتر کر دیا۔ اور بغیر سوچے سمجھے وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ ڈھلان پر اترتے ہوئے کئی بار اس کا پاؤں پھسلا لیکن وہ کوستا کلبلاتا ہوا آستین سے ناک اور آنکھوں کا پانی پونچھتا ہوا جانے بوجھے راستوں پر بھاگتا رہا۔ رات کے پچھلے پہر وہ دکان میں داخل ہوا۔ چھپر تلے لکڑی کے تخت پوش پر بڈھا لحاف اوڑھے سو رہا تھا۔ اس کے پالتو کتے نے تخت پوش کے نیچے سے نکل کر دم ہلائی۔

پہلے کمرے میں سخت اندھیرا تھا۔ تختے کی درزوں میں سے دوسرے کمرے میں جلتی ہوئی آگ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ کمرے کے فرش پر وہ بھاری قدموں سے جھول کر چلتا ہوا بڑھا۔

"کون ہے؟" ایک دھیمی' [illegible] آواز اس کے کانوں میں آئی۔

شیلا اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ "نعیم۔"

اس نے [illegible] تھکی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔

"وہ [illegible] جاگ رہے ہیں۔" شیلا نے کہا۔

ایک [illegible] ہاتھ [illegible] ساتھ تختے سے ٹکرایا' تختہ زمین پر گر پڑا اور اس پر سے چلتا ہوا وہ اس طرح کمرے میں داخل ہوا جیسے کہ دروازے میں کچھ تھا ہی نہیں۔ سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک سرخ داڑھی والا اجنبی بڈھا چٹائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ اس نے ٹھنڈے کپڑے کا خاکی کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر بڑی سی پگڑی تھی۔ اس کا چہرہ گول [illegible] تر و تازہ تھا اور وہ کسی طور سے ان کے گروہ کا آدمی دکھائی نہ دیتا تھا۔ مدن اس کے قریب لیٹا سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہم تمہارے انتظار میں تھے۔ تم غصے میں دکھائی دیتے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔" اقبال نے کہا۔ وہ آتش دان کے قریب اپنی مخصوص جگہ پر ایک کہنی کے سہارے لیٹا پستول صاف کر رہا تھا۔

نعیم اس کے اوپر جا کھڑا ہوا۔ "آئے کیوں نہیں؟"

اس نے کندھے اچکائے اور ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ "بارش ہو رہی تھی۔ بارود کیسے لایا جا سکتا تھا۔"

"تو اطلاع بھی نہیں دے سکتے تھے؟" نعیم نے غصے کو دبا کر کہا۔

"ہم نے مادھو کو بھیجا تھا۔" مدن نے آنکھیں کھول کر جواب دیا۔

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ صرف ایک گدھا گزرا تھا اور ایک آدمی جو گدھے سے بدتر تھا۔ میں سردی سے مر رہا ہوں۔" اس نے لکڑیوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر اٹھا کر بجھتے ہوئے کوئلوں پر پھینکا اور بیٹھ گیا۔ چیڑ کی لکڑیوں نے مخصوص تیز دھواں چھوڑا اور جل اٹھیں۔ اس کے بوٹوں میں بھرا ہوا پانی نکل نکل کر فرش پر بہنے لگا۔ کندھوں پر

گیلے کوٹ کے بوجھ کو بے طرح محسوس کر کے اس نے کافی کشمکش کے بعد اسے اتار کر وہیں پھینک دیا' بالوں میں انگلیاں ڈال کر پانی نچوڑا اور ہاتھ گود میں رکھ کر آگ کی حرارت محسوس کرنے لگا۔

مدن نے سر اٹھا کر اقبال کی طرف انگلی ہلائی۔ ''وہ نکما آدمی' میں کہتا ہوں' شراب پینے کے لئے گاؤں گیا ہوگا۔ تم نے ایسے ایسے آدمی اکٹھے کر رکھے ہیں جو نقصان دیں گے' سب کو نقصان دیں گے۔''

اقبال نے ریوالور کی چکلی تیزی سے انگلیوں میں گھمائی اور خاموشی سے بڈھے کی طرف دیکھا۔

''کچھ کھانے کو دو۔'' نعیم نے لکڑی کے گیلے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ سب خاموش بیٹھے رہے۔

''کچھ کھانے کو دو۔ میں نے کل صبح سے کچھ نہیں کھایا۔''

''تم سے کس نے کہا تھا؟'' اقبال پیچھے سے بولا۔

''ایں؟''

''کم مت کھاؤ...... اس وقت تو کچھ نہیں ہے۔''

''لیکن ن ن...... انتہائی غصے کی وجہ سے وہ تتلانے لگا۔

''آج ایک نیا مہمان آ گیا تھا۔'' مدن نے بڈھے کی طرف اشارہ کر کے کہا ''یہ......''

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے نعیم کا ضبط ٹوٹ گیا۔ زمین پر ہاتھ ٹیکے بغیر وہ مشین کی طرح سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحے تک اچانک اور شدید غصے کی وجہ سے کھڑا وہ سب کو باری باری دیکھتا رہا' پھر مڑ کر کمرے میں تیز تیز چکر لگانے لگا۔ آنسو اس کے حلق اور آنکھوں میں عود کر آئے۔

آہستہ آہستہ اس نے بولنے کی قوت دوبارہ حاصل کی۔

''تو میں بھوکا مر جاؤں؟'' وہ ہوا میں ہاتھ جھٹک کر چیخا۔ ''میں گدھا ہوں؟ ایک گدھے کو بھی چارہ دو گے تو کام نہ کرے گا۔ چار گھنٹے تک میں وہاں چوہے کی طرح بھیگتا رہا۔ کس لئے؟ تم جانور ہو؟ تم نے کبھی انسان نہیں دیکھے؟'' وہ رکا اور ہاتھ پتلون کی جیب میں دے کر' کندھے جھکا کر کمرے میں پھرنے لگا۔ مدن نے بے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ ''مت چیخو'' اس نے کہا۔ اقبال اسی طرح سکون سے بیٹھا پستول میں گولیاں ڈالتا اور نکالتا رہا۔ کمرے میں صرف لکڑی کے جلنے اور حقہ گڑگڑانے کی آوازیں تھیں۔

''میں چالیس روز سے تمہارے ساتھ ہوں اور میں نے ایک دن پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ میں اپنی مرضی سے یہاں ہوں؟ ہرگز نہیں' تم وحشی ہو اور وحشیوں کا کام کر رہے ہو۔ مجھے اس سارے کام سے نفرت ہے۔'' غصے اور مایوسی کی حالت میں الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ''میں آج ہی یہاں سے جا سکتا ہوں۔''

اقبال کہنی پر اٹھا اور نظریں اس پر گاڑ کر صاف آواز میں بولا۔

''ٹھہرو' تم کون ہو؟ بتاؤ؟'' اس کی صاف' بظاہر پُرسکون آواز میں ایک ظالمانہ جذبہ تھا جو صرف نعیم نے محسوس کیا۔

UrduPhoto.com

''خفیہ پولیس؟'' اقبال نے پوچھا۔

نعیم کے ذہن میں سفید غبار دوپہر کی برف کی طرح پگھلنے لگا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ وہ نہایت غلط مقام پر آ پہنچا ہے۔ تیز' رکی ہوئی نظروں کے سامنے اس نے سوچا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا کہ زیادہ باتیں بنانا اب بے کار تھا۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہیں پر بیٹھ گیا۔

''پہلے بھی خفیہ پولیس نے ایک بھیجا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔'' مدن نے لیٹے لیٹے آنکھیں کھول کر کہا۔

''میں پولیس کا آدمی نہیں ہوں۔'' نعیم نے کہا۔ لیکن تین طرف سے جمی ہوئی نظروں نے اسے مجبور کر دیا۔ اس نے گھبرا کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ ''میں کانگرس کا آدمی ہوں۔''

مدن آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمبل اس کے کندھے سے ڈھلک کر نیچے جا پڑا۔ کچھ دیر تک وہ حیرت اور تمسخر سے اسے دیکھتا رہا' پھر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اس کے بڑھے ہوئے شیو والے چہرے پر تلخی اور مضحکہ تھا۔ ''کانگرس؟ نامردوں کی جماعت؟ کلرکوں اور جاگیرداروں کی؟ جو صوفوں پر بیٹھ کر آزادی کی جنگ کرتے ہیں۔ ہا ہا ہا...... ہا ہا ہا؟''

''یہ غلط ہے۔'' نعیم نے ہاتھ کو جنبش دی۔ ''تم نہیں سمجھتے کانگرس میری جماعت ہے۔ مجھے دیکھو۔ میں جاگیردار ہوں؟ کلرک ہوں؟ میں سیدھا سادا کسان ہوں۔ ہاتھ سے کام کرنے والا مزدور ہوں۔ ہمارا اور تمہارا فرق......''

''تم [illegible] ہو۔ مدن نے [illegible] نکال دیا ہے۔ یہاں بھیج دیا ہے۔ وہ گورنر کی دعوتوں میں جاتے ہیں اور اپنے درمیان کسانوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔ بس۔ اور تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟ بولو......؟''

''دیکھو۔'' نعیم نے اعصابی انداز میں ادھر اُدھر دیکھا۔ ''جن لوگوں سے میں ملا ہوں وہ میری اور تمہاری طرح کے انسان تھے۔ نادار اور محنت کش' شاید کسان یا مزدور' مجھے علم نہیں' لیکن وہ کبھی گورنر کی دعوتوں میں نہیں گئے اور میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تم لڑائی کا ڈھنگ نہیں جانتے۔ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے۔ اس کے لئے اتنا ہی بڑا دماغ بھی چاہیے۔ چند لوگ کی دہشت پسندی سے کیا ہوگا؟ اس جنگ میں ہم بھی اتنے ہی شریک ہیں جتنے تم'' اس نے رک کر پسینہ پونچھا جو اس سردرات میں اس کے ماتھے پر نمودار ہو گیا تھا۔ ''ہماری تحریک عوام میں ہے۔ کسانوں اور مزدوروں میں' لاکھوں اور کروڑوں لوگوں میں' جن کے ہاتھ میں بے پناہ طاقت ہے۔ تم نے تاریخ اور معاشیات کا مطالعہ کیا ہے مگر عقل سلیم بھی ایک شے ہے۔ ایک ریل گاڑی اڑانے سے تم کیا کر لو گے؟ ہندوستان میں ہزاروں ریل گاڑیاں چل رہی ہیں۔ آزادی کے لئے ریل گاڑیوں سے نہیں' ان میں سفر کرنے والے لاکھوں لوگوں سے رابطہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ایک پروگرام چاہیے' ایک ضابطہ۔ تمہارے پاس کیا ہے؟ چند کروہ ہیں جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور ان کا بھی آپس میں کوئی رابطہ نہیں۔ تم بغیر سوچے سمجھے کام کرتے ہو۔ تمہارے پاس سوچنے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ میں نہیں سمجھتا۔'' اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''کہ یہ سب کیا ہے؟''

''اور تم کیا سمجھتے ہو؟'' عدن نے اس پر انگلی ہلائی۔ ''تم؟''

''سنو۔'' نعیم نے اکڑی ہوئی ٹانگیں اکٹھی کیں اور بڈھے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس سے حقہ پکڑ کر لمبے لمبے کش لینے کے بعد اس نے حقہ واپس کر دیا اور کندھے جھکا کر بیٹھ گیا۔

''سنو۔'' اس نے دوبارہ کہا اور گہرے استغراق میں بولنے لگا۔

''سنو۔'' اس نے دوبارہ کہا اور گہرے استغراق میں بولنے لگا۔ ''میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اگر بزدلی اور تشدد میں انتخاب کرنا پڑ جائے تو بزدلانہ طور پر ذلت اور بے بسی کا شکار ہونے کی بجائے ہندوستان کو مسلح طور پر اپنی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے۔ مگر ساتھ ہی میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عام تشدد تشدد سے کہیں زیادہ افضل اور سزا دینے سے معاف کر دینا کہیں زیادہ مردانہ فعل ہے۔ اپنے دشمن کو معاف کر دینا ایک سپاہی کا زیور ہوتا ہے۔ مگر سزا نہ دینا اسی وقت معاف کر دینا کہلاتا ہے جب معاف کرنے والے میں سزا دینے کی طاقت موجود ہو۔ ایک چوہیا جبکہ بلی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہوتی ہے، بلی کو معاف کر دینے والی نہیں کہلا سکتی کیونکہ وہ خود مجبور اور بے بس ہوتی ہے۔ مگر ساتھ ہی میرا یہ بھی یقین ہے کہ ہندوستان ایسا بے بس بھی نہیں ہے۔ طاقت جسمانی قوت کا نام نہیں، حقیقی طاقت ایک غیر متزلزل آہنی ارادے سے پیدا ہوتی ہے۔

''عدم تشدد کا اصول محض رشیوں کے لیے نہیں بنا تھا، بلکہ عام انسانوں کے لیے بھی وہ ویسا ہی قابل عمل ہے۔ عدم تشدد انسانوں کے لیے ایسا ہی قانون ہے جیسے تشدد وحشی جانوروں کا ہے۔ تشدد کا جذبہ وحشی جانوروں کے اندر مخفی ہوتا ہے اور وہ سوائے حیوانی طاقت کے اور کسی قانون کو نہیں جانتے مگر شرف انسانیت ایک بلند تر طاقت کے سامنے سر جھکا دینے کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی روحانی طاقت کے سامنے۔ ہمارے رشی جنہوں نے ایک تشدد آمیز ماحول میں عدم تشدد کے قانون کو دریافت کیا، نیوٹن سے بڑھ کر نابغہ روزگار اور ولنگٹن سے بڑھ کر بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے ہتھیاروں کے استعمال کو جانتے ہوئے ان کے ناکارہ پن کو سمجھ لیا تھا اور اس لیے انہوں نے ایک تھکی ماندہ دنیا کو یہ اپدیش دیا تھا کہ اس کی نجات کا راز تشدد کی بجائے عدم تشدد میں مضمر ہے۔ عدم تشدد کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایک مضبوط ارادے والے بدکردار شخص کے سامنے عاجزانہ طور پر ہتھیار ڈال دیئے جائیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی پوری روحانی قوت کے ساتھ ظالم کے ظلم کا مقابلہ کیا جائے۔

''پس میں ہندوستان کو اس کی کمزوری کی وجہ سے عدم تشدد اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دے رہا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان اپنی طاقت اور قوت کا احساس رکھتے ہوئے عدم تشدد کو اختیار کرے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ یہ جانے کہ وہ اپنے اندر ایک ایسی روح رکھتا ہے جو تباہ ہونا نہیں جانتی اور جو ہر جسمانی کمزوری پر غالب آ سکتی ہے۔ میں ان لوگوں کو جو تشدد پر یقین رکھتے ہیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ غیر متشدد اور امن پسند ترک موالات کا ایک دفعہ تجربہ کر کے دیکھیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ عدم تشدد اپنی کسی اندرونی ذاتی کمزوری کی وجہ سے ناکام ثابت نہیں ہوگا بلکہ اس وقت ناکام ہوگا جب اس پر پورے طور سے عمل نہ کیا جائے اور وہ وقت حقیقی خطرے کا وقت

ہوگا۔ کیونکہ اس وقت وہ بلند ہمت انسان جو اپنی قومی ذلت کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کر سکتے اپنے غصے کا عملی اظہار شروع کر دیں گے اور تشدد کو اختیار کر لیں گے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو اس ظلم سے نجات دلوانے کی بجائے جس کا وہ تختۂ مشق بنائے جا رہے ہیں' تباہ ہو جائیں گے۔''

''یہ تمہارا فلسفہ ہے؟'' مدن نے مسکرا کر پوچھا۔

''میرا اتنا بڑا دماغ نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ یہ تمہارا گرو ہے۔ گاندھی۔'' وہ طنز سے مسکرایا۔ ''گاندھی راہب۔ سادھو۔ ولی اللہ۔ جو ہوا میں باتیں کرتا ہے۔ اس کا حلیہ تم نے کبھی دیکھا ہے؟ اور تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں ملک لے کر دینے والا ہے؟ وہ کبھی گورنر کی دعوت میں نہیں گیا؟ اس کی تقریریں اور فلسفے تمہاری کیا مدد کریں گے؟ جنوبی افریقہ میں اس نے کیا کیا' جانتے ہو؟'' وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے ماتھے کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہوئی وہ مانوس رگ جو خطرے یا جوش کے وقت ظاہر ہوتی تھی ابھر آئی۔

''اس کا سر حلوے کلدو کی طرح ہے۔'' اقبال نے زہریلا قہقہہ لگایا۔

''اوہ'' نعیم نے مایوسی سے ہاتھ ہوا میں ہلایا۔ ''تم نہیں سمجھتے ..... مدن۔ یہ فلسفہ کاغذ پر نہیں' ہاتھوں پر لکھا گیا ہے۔ اس میں کام کرنے کی طاقت ہے۔ ذرا سوچو' ہزاروں آدمی ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم پر قانون کی کوئی پابندی نہیں۔ ہم صرف اپنے پیچھے ایک ..... چھوڑ جاتے ہیں ..... پھر ہم جرم کرتے ہیں اور غاروں میں چھپ جاتے ہو اور ہمارے آدمیوں کو پکڑ کر جیل میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ ہمارا کام رک جاتا ہے۔ سمجھے؟'' وہ رکا۔

''ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ نوجوان' جن کے پٹھوں میں طاقت ہے۔''

اقبال آنکھیں سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا' لاپروائی سے بولا: ''تمہاری ضرورت ہمارے کام کو ہے۔ کانگرس کو بزدلوں اور لنگڑوں اور لولوں کی ضرورت ہے۔''

''بکو مت۔'' نعیم چیخا۔ ''میں بزدل نہیں ہوں۔ میں نے جنگ کے میدان میں بازو کھویا ہے۔''

اقبال نے ریوالور کو الٹ پلٹ کر دیکھا' پھر احتیاط سے اسے سیدھا کیا اور ایک وحشی لیکن پکے ارادے کے ساتھ حقے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ دھماکے کے ساتھ مٹی کا حقہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑا اور بدبودار پانی زمین پر بہنے لگا۔ لکڑی کی نالی سرخ داڑھی والے کے ہاتھ میں رہ گئی جو چھپر پر ٹانگیں پھیلائے ششدر بیٹھا تھا۔ مدن سکون سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ اقبال ریوالور کو خول میں ڈالنے لگا۔

پتلون کی جیب میں پستول پر نعیم کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ باہر سے بڈھا گھبرایا ہوا داخل ہوا۔ سوتے سے ایک دم جاگ اٹھنے سے اس کے بال لوہے کے تاروں کی طرح کھڑے تھے' جسم پر صرف ایک دھوتی تھی اور داڑھی پر رال بہہ رہی تھی۔

''کون مر گیا؟'' قریب آ کر اس نے خوف زدہ' سرخ آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔

کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر سرخ داڑھی والے نے حقے کی نالی سے نعیم کی طرف مبہم سا اشارہ کیا۔ بڈھے نے جھپٹ کر نالی اس کے ہاتھ سے چھینی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر غصے سے سب کو باری باری دیکھنے لگا۔

''چاند ماری کی اچھی جگہ ڈھونڈی ہے تم نے۔'' اس نے اقبال سے کہا۔ ''میرا بھی بیڑا غرق کرو گے۔ اسی لیے میں نے تمہیں رکھا ہے؟'' غصے اور گھبراہٹ کی وجہ سے وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکا اور کہنیاں باہر نکال کمرے کی چوڑائی میں چکر لگانے لگا۔ کبھی کبھی وہ رک کر سب کو دیکھتا' کچھ کہتا کہتا رک جاتا' اور پھر چلنے لگتا۔ نعیم جیب سے ہاتھ نکالے بغیر اٹھا اور اپنے کمبل پر جا کر لیٹ گیا۔ انتہائی کوشش کے ساتھ اس نے اپنی انگلیوں کو اس وحشی انسانی جذبے کے تحت عمل کرنے سے باز رکھا۔

پھر بات کیے بغیر بڈھا سب کی طرف ملامت اور سرزنش سے دیکھتا باہر جانے کو بڑھا' نعیم کے اوپر کھڑا ہو کر بولا: ''سوتے میں اس کی جان مت لینا۔'' اور باہر نکل گیا۔

کچھ دیر کے بعد سرخ داڑھی والا آہستہ آہستہ چلتا ہوا نعیم کے پاس آیا۔ خاکی کوٹ کی جیب میں ادھر ادھر تلاش کرنے کے بعد اس نے ہاتھ باہر نکالا اور چند خشک کھجوریں اس کی طرف بڑھا دیں۔

''میرے پاس کچھ کھجوریں ہیں۔'' اس نے کہا۔

ایک لمحے تک نعیم اس کی سادہ' بے مطلب آنکھوں اور بے تکلفی سے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتا رہا' پھر اس نے کھجوریں [illegible] کھانے لگا۔

UrduPhoto.com

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو ستاروں کی مدھم روشنی سوراخ میں سے داخل ہو رہی تھی۔ ''بارش ختم ہو گئی۔'' اس نے سوچا۔ آتش دان کے قریب گھپ اندھیرا تھا اور تین طرف سے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا ذہن بالکل خالی تھا اور وہ دوبارہ سو جانے کی شدید خواہش محسوس کر رہا تھا۔ بند آنکھوں کے سامنے سفید پردہ اور ستارے لئے وہ خاموش لیٹا کمبل کی آرام دہ حرارت کو محسوس کرتا رہا۔ پھر تختہ سرکا کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ اندھیرے میں آسانی سے چلتا ہوا وہ اس کے بستر پر جا کھڑا ہوا۔ بستر میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ گھٹنوں پر بیٹھ کر اس نے تاریکی میں ہاتھ پھیلایا اور شیلا کے چہرے کو چھوا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ نعیم کی انگلیوں کے نیچے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے تک وہ اسی طرح جلتی ہوئی خشک آنکھوں پر انگلیاں رکھے بیٹھا رہا اور اس کے دل میں اس اجنبی لڑکی کے لئے بے پناہ ہمدردی اور رنج پیدا ہوا۔

''تم سوئی نہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔'' شیلا نے بھاری آواز میں سرگوشی کی۔

''رات بھر؟''

''ہوں۔''

خاموشی سے اس کے برابر لیٹ کر اس نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے احسان مندی کے جذبے سے اس کے سر اور ماتھے کو چوما۔ وہ بلی کے بچے کی طرح اس کے سینے سے لگ کر سکنے لگی۔ اس کی گرم' بخار زدہ سانس نعیم کی ننگی چھاتی پر سے گزری اور اس کی جلد میں ایک درد آلود کپکپاہٹ بیدار کرتی ہوئی ہڈیوں میں اتر گئی۔ نعیم نے انتہائی تکلیف دہ احساس کے ساتھ ایک بازو کے پورے زور سے اسے بھینچا۔

"تم سوئی کیوں نہیں؟"

"ابھی تم خراٹے لے رہے تھے۔"

"تم نے جگایا کیوں نہیں؟"

"میں کئی بار گئی...... پھر لوٹ آئی۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔" وہ کہنیاں اس کی چھاتی پر رکھ کر اٹھی۔ "آج وہ تمہیں مار دیتے تو؟"

"تو کیا تھا"

وہ اس کے سینے سے چمٹ گئی۔ "میں اسے مار دیتی۔ یقیناً۔ دیکھو۔"

"کیسے؟" نعیم نے پوچھا۔

"بارود سے۔ سینے پر رکھ کر۔"

"یوں تو سب مر جاتے۔"

"پر زیادہ تو وہ مرتے۔ بارود اس کے سر کے نیچے ہوتا ہے۔"

وہ پیچھے سے ہنسا۔ "عجیب طریقہ ہے۔"

"اس طرح میں نے تمہیں مارنے کا بھی منصوبہ بنایا تھا۔"

"مجھے؟"

"ہاں۔"

"کب؟"

"پہلے پہل۔"

"کیوں؟"

"تم بات جو نہیں کرتے تھے۔"

"پھر۔"

"پھر میں نے سوچا۔" اس نے نعیم کی گردن پر ہونٹ رکھ کر کہا۔ "میں خود تم سے بات کروں گی۔"

وہ پھر ہنسا۔

UrduPhoto.com

''میں تمہیں مار دیتی تو اچھا تھا۔'' اس نے کہا۔

''کیوں۔''

کہنیاں نعیم کی چھاتی میں گاڑ کر دھیمی' پھنکارتی ہوئی آواز میں بولی: ''آج میں رات بھر جاگتی رہی۔''

''اوہ..... مجھے معاف کردو۔ اب میں آ گیا ہوں۔'' اس نے اسے ہونٹوں پر چوما۔

''نعیم۔''

''ہوں۔''

''تمہیں اب چلا جانا چاہیے۔''

وہ خاموش لیٹا اس کی جلد سے نکلتی ہوئی ہلکی' نشہ آور حرارت کو محسوس کرتا رہا۔ اس نے سوچا کہ وہ حرارت اپنی قوت ضائع کیے بغیر شیلا کی جلد سے نکل کر اس کی جلد میں داخل ہو رہی ہے اور اسے زیادہ صحت مند' زیادہ مضبوط اور زیادہ ریشمیں بنا رہی ہے' جیسی صحت مند اور مضبوط اور ریشمیں وہ حرارت ہے۔ اپنی چھاتی کے ہلکے سے جھکاؤ میں جو شیلا کی چھاتیوں کے درمیانی جھکاؤ کے عین نیچے تھا' سردی محسوس کرکے اس نے پورے جسم کے ساتھ اسے بھینچا۔

''یہ لوگ بھیڑیوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔'' شیلا نے کہا۔

''ہاں۔''

''ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''ہاں۔''

''تمہارا گھر ہے؟''

''ہاں۔''

''کہاں۔''

''کہاں؟'' وہ بمشکل اس کی بات سمجھ رہا تھا۔ ''دلی میں۔''

''ہم پھر دلی چلے جائیں گے۔ ہیں نا؟'' شیلا نے اس کے منہ پر گال رگڑا۔

''ہاں۔''

''ہم پھر شادی کرلیں گے۔''

''ہاں۔''

''تم مجھ سے شادی کرلو گے نا؟''

''ہاں۔''

''نہیں' مجھے بتاؤ۔'' اس نے بضد ہو کر پوچھا۔

UrduPhoto.com

"ہاں ہاں۔" نعیم نے سختی سے دہرایا اور اس کے ہونٹوں کو دبا کر چوما۔

"پھر ہم میاں بیوی کی طرح رہیں گے۔"

"ہاں۔"

"تم کیا کرتے ہو؟"

"میں؟ کھیتی۔"

"ہم بھی کھیتی کرتے تھے۔" وہ خاموش ہو کر بولی۔ "میں سارا کام کر لیتی ہوں۔"

"اچھا؟"

"دودھ بلو لیتی ہوں۔ چارہ کاٹ لیتی ہوں۔ چاول پکا لیتی ہوں۔ گوبر...... بھی تھاپ لیتی ہوں۔"

وہ ہنسا۔

"میں سارا کام کروں گی۔ تمہاری ماں بھی ہے؟"

"ہاں۔"

"میں تمہارا سارا کام کروں گی۔" خوشی سے بے حال ہو کر لڑکی نے اس کے بال دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر کھینچے۔ "ہاں، ہاں۔" پھر اس نے دونوں بازو اس کی گردن [illegible] کر لپیٹے اور اس کے گال کا ایک طویل گرم بوسہ لیا۔ "میں نے بڑی دیر [illegible] گھر میں کام نہیں کیا۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" وہیں پر چت رکھے رکھے اس نے بھاری افسردہ لہجے میں کہا۔

نعیم کے دل میں ایک نامعلوم سی بے چینی ایک رنج پیدا ہوا۔

"اب وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ اب وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔" شیلا نے جواب دیا۔

"صبح ہونے والی ہے۔"

"ہاں۔ صبح ہونے والی ہے۔"

"اب ہمیں سو جانا چاہیے۔"

"اب ہمیں سو جانا چاہیے۔" شیلا نے دہرایا۔

اور نعیم نے محسوس کیا کہ اس کی رائے میں اور اس کی رائے میں، اس کی رضامندی میں اور اس کی رضامندی میں، اس کے وجود میں اور اس کے وجود میں کوئی فرق، کوئی فاصلہ نہیں ہے اور ان کے درمیان مکمل سمجھوتہ، مکمل صلح اور مکمل امن ہے جیسے میاں بیوی کے مابین ہوتا ہے۔

تمام دن وہ اکیلا اکیلا پہاڑیوں پر پھرتا رہا۔ وہ چھتیس گھنٹے سے بھوکا تھا۔ اس کا دماغ کافی حد تک سُن ہو چکا تھا اور وہ سارے بدن میں کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ کبھی کبھی خیالات کا منتشر سا تیز ریلا کہیں سے آتا: "اب کیا

ہوگا! چلا جاؤں؟ رک جاؤں۔" جواب دینے سے پہلے وہ بے دھیان ہو جاتا۔

دوپہر کے وقت وہ ایک چٹان کے سائے میں سو گیا۔ جب اٹھا تو سورج غروب ہو رہا تھا اور چٹان کا سایہ دور تک چلا گیا تھا۔ اٹھتے اٹھتے معدے میں شدید درد محسوس کر کے وہ پریشان ہو گیا۔

"بھوک کی وجہ سے ہے۔" اس نے کہا اور آہستہ آہستہ پتھروں پر اترنے لگا۔

بڈھا اپنے مستقل اینچی انداز میں روئی کے میلے گدے پر بیٹھا تھا اور ایک کسان لکڑی کے بنچ پر بیٹھا دودھ پی رہا تھا۔ مٹی کے میلے برتن بڈھے کے آگے رکھے تھے۔ ایک بڑی سی کڑاہی میں دودھ گرم ہو رہا تھا جس پر میلے رنگ کی موٹی بالائی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ کڑاہی کے پاس چھوٹا سا گراموفون پڑا تھا۔ اس کے ہرے رنگ کے بھونپو پر مکھیوں کی بیٹوں کے بے شمار کالے کالے داغ پڑ گئے تھے۔ گراموفون دن بھر گھسے ہوئے ریکارڈ بجا بجا کر اب خاموش ہو چکا تھا۔

نعیم تخت پوش کے کونے پر بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ نمبا کو کی وجہ سے اس کی معدے کا درد بھاری اور بدمزہ ہو گیا۔ اس نے دیوار پر تھوکا۔ کسان نے دودھ کا پیالہ بنچ پر رکھا اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔ نعیم اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

بڈھے نے پیالہ اٹھا کر میلے برتنوں میں رکھا اور نعیم کو دیکھ کر مسکرایا۔ "کیا دیکھتے ہو۔ یہ کسانوں کا طریقہ ہے۔ آتے جاتے ہوئے کوئی بات نہیں کرتے۔"

"میں بھی کسان ہوں۔" نعیم نے دوبارہ تھوکا۔ "تھوڑا سا دودھ دو۔" بڈھے نے اسی پیالے میں دودھ ڈال کر اسے دیا۔

"کل تم نے بڑی غلطی کی۔ تم نے کیا کہا تھا؟" اس نے کندھے اچکائے۔ "پتہ نہیں لیکن ان کا مزاج ٹھیک نہیں ہے۔ ذرا ہوشیار رہنا۔"

نعیم نے چند بڑے بڑے گھونٹوں میں پیالہ خالی کر کے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر ستارے تھے اور تاریکی۔ وہ اندر داخل ہوا۔

اندھیرے فرش پر سے گزرتے ہوئے اس نے اگلے کمرے میں مردوں کے باتیں کرنے کی آواز سنی۔ اس سے پہلے کہ وہ تختے کو چھوتا کسی نے تیزی سے اس کا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ مزمل شیلا اسے کھینچتی ہوئی اپنے بستر تک لے گئی۔

"اندر مت جاؤ۔" اس نے کہا۔

"کیوں۔"

"وہ تمہیں مار دیں گے۔"

دھوئیں کی طرح بل کھاتا ہوا غصہ اس کے دماغ میں چڑھا۔ "وہ میرے نزدیک بھی نہیں آئیں گے۔"

UrduPhoto.com

آہستہ آہستہ اس نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر پتلون کی جیب میں ڈال لیا۔

"میں نے خود سنا ہے۔" شیلا نے کہا۔ "وہ تمہیں آتش دان تک پہنچنے سے پہلے مار دیں گے۔"

"میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ مجھے ان سے بات کرنے دو۔ میں نے ان سے زیادہ آدمی مارے ہیں۔"

"نہیں ...... نہیں۔" شیلا اس سے لپٹ گئی اور رو کر بولی۔ "مت جاؤ۔ وہ تمہیں مار دیں گے۔ نہیں ...... نہیں۔"

"میرا بستر اندر پڑا ہے۔" نعیم نے درشتی سے کہا۔

"تم باہر بیٹھو۔ جب وہ سو جائیں گے تو میں لے آؤں گی۔"

نعیم سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"پھر ہم چلے جائیں گے۔" شیلا نے کہا۔

کچھ دیر تک وہ اسی طرح کھڑا جھومتا رہا۔ پھر آہستہ سے ہاتھ چھڑا کر باہر نکل آیا۔

یہ پورے چاند کی رات تھی۔ وہ مسلسل چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک اور بے خواب تھیں اور وہ لکڑی کے تخت پوش پر لیٹا تھا۔ دوسری طرف بڑا سا لحاف میں سکڑا ہوا سو رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ماد ہو کر اندر سے نکلا تھا۔ برآمدے میں رک کر اس نے نیولے کا سا سر گھما کر ادھر اُدھر دیکھا اور تھیلے کو کندھے پر درست کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ پھر تنے تاریکی کی وجہ سے وہ نعیم کو نہ دیکھ سکا تھا۔ باتوں کی آواز اب بند ہو چکی تھی۔

پھر وہ [illegible] دوبارہ باہر آئی تو اپنے کمبل رسی میں باندھ کر اس نے کندھے پر اٹھا رکھے تھے اور ہاتھ میں ایک پوٹلی پکڑے ہوئے تھی۔

"چلو۔" اس نے کہا۔

نعیم نے اندھیرے میں گہری نظروں سے اسے دیکھا اور دیکھتا رہا۔

"یہ روٹی ہے۔" ہاتھ اٹھا کر اس نے سادگی سے کہا۔ "راستے کے لئے۔"

اسی طرح دیکھتے ہوئے نعیم نے تھیلا کندھے پر لٹکایا۔ پھر اس نے پورے بازو کے ساتھ مضبوطی لیکن آہستگی سے اسے پیچھے کو دھکیلا۔

"تم یہیں رہو۔" اس نے کہا اور کمبل اٹھا کر باہر نکل گیا۔

شیلا نے بھاگ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "نہیں۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ تم نے کہا نہیں تھا؟"

اس نے آزردگی سے پوچھا۔

"میں گاؤں نہیں جا رہا ہوں۔" مڑ کر دیکھے بغیر نعیم نے کہا اور رفتار تیز کر دی۔

شیلا نے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے اس کے بڑے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کھینچا۔ "میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ تم کہاں جا رہے ہو۔ تم نے کہا نہیں تھا؟"

نعیم نے ایک لمحے کو رک کر اسے دیکھا، اس کا ہاتھ جیب سے نکالا اور تیزی سے چل پڑا۔

"نعیم۔" وہ اس کی آستین کو مضبوطی سے پکڑے بھاگتی رہی۔ "میں سارا کام کر سکتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ۔"

"جاؤ....." ڈرے ہوئے کتے کی طرح دانت نکال کر وہ چیخا اور بھاگ اٹھا۔

سیدھا رستہ چھوڑ کر وہ ایک پتھریلی، خطرناک ڈھلان پر اترنے لگا۔ شیلا پتھروں کو پکڑ پکڑ کر دو ایک قدم اتری، پھر ایک چٹان پر بیٹھ گئی۔

"نعیم....." آخری بار اس نے کہا اور بلک کر رونے لگی۔ پتھروں پر پھسلتا، گرتا، لڑھکتا ہوا وہ تیزی سے نیچے اتر رہا تھا۔

"سور..... لکڑ بند....." شیلا نے چلا کر کہا اور پوری طاقت سے ایک بھاری پتھر اس کے پیچھے لڑھکا دیا۔ پتھر شور مچاتا ہوا نعیم کے قریب سے تیزی کے ساتھ گزر گیا۔

ڈھلان کے دامن میں جھرنے کے ٹھہرے ہوئے پانی کے کنارے پہنچ کر اس نے آستین سے پسینہ خشک کیا اور سخت پیاس محسوس کی۔

پیاس بجھا کر وہ نہانے کے لئے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنا سیاہ دستے والا استرا نکالا اور دیر تک اسے تھیلے کے چمڑے پر تیز کرتا رہا۔

پانی پر جھک کر داڑھی مونڈتے ہوئے اس نے سوچا، "پتہ نہیں کہاں چلا جاؤں۔ میں کیسے اس کو..... میں کیسے۔"

UrduPhoto.com

پچھلی رات کی سرد، بوجھل ہوا پانی کی سطح پر ہولے ہولے چل رہی تھی۔ اسے نیند آ گئی۔

(۱۵)

گلاب کے پودوں کو پانی دے کر عذرا نے ہاتھ والا فوارہ نیچے رکھا اور سورج کی طرف پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔ یوکلپٹس کی چوٹیاں آسمان کی جانب ہل رہی تھیں اور برآمدے پر زرد پھولوں والی ولایتی بیل جھکی ہوئی تھی۔ یہ ستمبر تھا۔ اس نے ملال سے بالوں کی لٹ کو جو ماتھے پر آ گری تھی پیچھے کیا۔ پھر سنتھے کی باڑ پر اس کی نظر دوڑنے لگی۔

ہر ایک پودے پر اس نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن آپ سے آپ چلنے والی گولیوں کی طرح وہ ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے پودے پر آگے کی طرف پھسلتی گئی۔ جب باڑ ختم ہونے میں پانچ فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو اس نے ایک بھرپور اور مخلص کوشش کے ساتھ آنکھوں کو روکا اور سنتھے کے سبز، رس دار، بدمزہ پتوں پر نظریں جما کر کھڑی ہو گئی۔ چند سیکنڈ تک وہ اسی طرح کھڑی رہی، پھر اس نے ایک گہرا پُرسکون سانس لیا۔

باڑ کے پیچھے سبزے پر اٹھارہ بیس نوجوانوں اور بچوں کا ہجوم اس وقت کسی اوٹ پٹانگ کھیل میں مصروف تھا جس میں سبھی لوگ ایک ساتھ بول رہے تھے۔ بدلتے ہوئے موسم کی خوشگوار گرم دھوپ سبزے پر اور جنگلی سنتھے

کے گھیر دار پودوں اور باڑوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ درختوں پر پتے زرد ہونا شروع ہو چکے تھے اور فضا میں خزاں کا زرد' مٹیالا رنگ ظاہر ہو رہا تھا۔ ابھی کچھ دنوں میں خزاں کی ہوائیں چلیں گی تو باغبان اور اس کی بیوی بڑی بڑی جھاڑوؤں سے باغ کی روشوں پر خشک پتوں کے ڈھیر جمع کریں گے اور آگ جلائیں گے یا زمین میں دبا دیں گے جو کھاد بنے گی اور موسم بہار کی آمد پر گلاب کی جڑوں میں ڈالی جائے گی۔ خزاں کے بگولے اور کھڑکھڑاتے ہوئے خشک پتے۔ سارے موسم اس قدر خوبصورت ہیں' اللہ۔ جاڑے بھی' جب پچھلے پہر کو ہی شام ہو جاتی ہے اور آتشدان کے قریب محفلیں جمتی ہیں۔ مخملیں سلیپر اور اونی جرابیں اور کوٹ اور کہانیاں اور ریکارڈ اور آتشدان میں لکڑی کے چٹخنے کی آوازیں آتی ہیں اور باہر جاڑوں کی بارش جو بے آواز آہستگی سے گمنام اندھیروں میں دور دور تک گرتی ہے اور قہوہ اور پھر دس بجتے ہیں اور روشن محل کے قانون کے مطابق سب اپنی اپنی خوابگاہوں کو چلے جاتے ہیں۔ قہوہ اور بارش۔ بھاپ اور بارش۔ سارے موسم۔

اس نے سہم کر باڑ کے پیچھے اس دیو نے خود چڑھتے ہوئے پیڑوں کو دیکھا۔ وہ وہاں سے چلی آئی تھی اور اب واپس جانا' اُدھر دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر دیکھ رہی تھی۔ کیوں؟ وہ؟ ہنستے کھیلتے اور باتیں کرتے ہوئے گروہ کا شور بڑھ گیا۔ یہ روشن محل کا پچھواڑا تھا جہاں اونچی نیچی کٹی ہوئی گھاس تھی اور بے ترتیب باڑیں تھیں اور گلاب کے چند پودے تھے۔ سامنے والے خوبصورت کٹے ہوئے قطعوں میں انہیں محفلیں منعقد کرنے کی اجازت نہ تھی۔ وہاں روشن [illegible] داخل ہونے کی خوشی میں ہوئی تھی' ہوتی تھیں جن میں مشہور و معروف لوگ شرکت کرتے تھے اور تقریریں ہوتی تھیں اور سیاست پر گفتگو کی جاتی تھی۔ چنانچہ آج بعد دوپہر' ہمیشہ کی طرح بڑی پارٹی کے بعد ان کی اپنی منظور شدہ چھوٹی پارٹی ہو رہی تھی۔ اسی تقریب کے سلسلے میں لیکن اس سے کہیں زیادہ مسرت' ہنگامے اور غیر ذمہ داری کے ساتھ' جیسے گاڑی کے پیچھے پیچھے بچھڑا چلا جاتا ہے۔ وہی پرانے مانوس چہرے تھے وہی محبوب دوست' وہی پرانی خوشی اور اپنائیت۔ ارشد' نرگس' شیریں' پرویز' طالع' طلعت' پھر سب کے چچا زاد بہن بھائیوں کا ایک گروہ اور چھوٹی نسل کا ہجوم' صرف غیاث پہلی مرتبہ شریک ہوا تھا اور وہ...... وہ' وحید' صاحبزادہ وحید الدین آف رسول پور! وہ سب سے الگ خاموشی سے گھاس پر بیٹھا تھا اور اس کا لمبا جسم باڑ کے پتوں میں سے دکھائی دے رہا تھا اور وہ وہاں سے اٹھ کر چلی آئی تھی۔ کیوں؟ کیوں؟"

بلند ہوتے ہوئے شور میں اس کے خیالات کی گاڑی تھم گئی۔

"تمہارا تو کوئی کہنا ہی نہیں مانتا۔ تم کیا مقابلہ کرو گی۔" ارشد کہہ رہا تھا۔

شیریں درمیان میں ہی بول اٹھی: "ہمارے میں زیادہ ڈسپلن ہے۔ تم اپنے آدمی سنبھالو۔"

"اچھا تو دو گروپ؟" ارشد نے للکار کر پوچھا۔

"قطعی۔" نرگس نے اسی جارحانہ انداز میں جواب دیا۔